موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے
(علامہ اقبالؒ)

یادِ رفتگاں

از قلم:

مفتی محمد عامر کانپوری

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجمؤ کانپور

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی
علامہ اقبالؒ

۱۰۰ جشن صد سالہ ۱۳۳۸ - ۱۴۳۸ھ

• مقالہ •

امام الحدیث، محدث کبیر و شیخ الحدیث

حضرت مولانا شیخ عبد الحق صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

• استاذ حدیث و فقہ ام المدارس دار العلوم دیوبند •

۱۳۵۰ھ/۱۹۲۸ء..................۱۴۳۸ھ/۲۰۱۶ء

از قلم

مفتی محمد عامر کانپوری

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جامع مسجد اشرف آباد جاجمؤ کانپور

امام الحدیث، محدث کبیر و شیخ الحدیث

حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حدیث وفقیہ جامع المدارس دارالعلوم دیوبند

۱۳۵۰ھ/۱۹۲۸ء.....۱۴۳۸ھ/۲۰۱۶ء،

تاریخ اگر ڈھونڈے گی شیخ ثانی کو

ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملے گا

قدرت کے آگے ہر ایک مجبور ہے، چاہے وہ شاہی و گدائی کا رہنے والا ہو یا بادیہ نشینی میں بسیرا کرنے والا ہو، یا پھر علم و فضل کا مالک ہو، یہاں ہر ایک اس کے آگے لاچار، مجبور اور بے کس ہے، کوئی خاموشی سے جاتا ہے اور کوئی رنج و غم دیکر جاتا ہے، کچھ یہ کہ صرف اپنے بچوں کو یتیم اور اپنے گھر کو ویران کرتے ہیں اور کچھ سارے شہر کو یتیم اور اپنے گھر کو ویران کرتے ہیں، اور بعض جانے والے، دل کے اس نہاں خانے میں ہوتے ہیں کہ ہزار تسلی کے باوجود ان کی یادیں ان کی باتیں رہ رہ کر آنکھوں کو اشکبار کرتی رہتیں ہیں۔

جان کر من جملۂ خاصانِ میخانہ مجھے

مدتوں رویاں کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ولادت :۔آپ کی پیدائش رجب کے مہینہ میں دوشنبہ کے دن ۱۹۲۸ء کو جگدیش پور ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔

تعلیم کا آغاز :۔آپکی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب سے شروع ہوئی، پھر عربی درجات مدرسہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں، پھر دارالعلوم مئو میں داخل ہوکر ہفتم عربی تک تعلیم مکمل کی، پھر ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوکر شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ اور مولانا فخر الحسنؒ وغیرہ کے سامنے شرف تلمذ حاصل کیا۔

تدریسی زندگی کا آغاز :۱۹۴۸ء میں فراغت کے بعد آپ نے مطلع العلوم بنارس سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔تقریباً ۱۶ سال تک آپ نے اس ادارے اور اس علاقے کو اپنے علمی فیضان، عملی کردار، اور باطنی فیض سے مستفید کیا، ضلالت وگمراہی کے اندھیرے کو نور وہدایت سے معمور کیا۔ پھر آپ وہاں سے الوداع کہہ کر دارالعلوم مئو میں تدریسی خدمات انجام دیا اور وہاں تقریباً ۱۲ سال تک علم حدیث کا چراغ روشن کیا۔اس کے بعد تائیدایزدی سے آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اور ۳۲ سال تک یعنی اوّل تا آخر بخاری شریف کی نغمہ سرائی کرتے رہے ہزاروں طلبہ عزیز کو فیض پہنچاتے رہے اور وہاں کی درودیوار کو قال اللہ وقال الرسول کی صداء سناتے رہے۔

زندگی قطرے کی سکھلائی ہے اسرار حیات
یہ کبھی گوہر کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

اوصاف حمیدہ: لمبا قد اگہرا رنگ کشادہ پیشانی، لمبی، گھنی ،اور سفید داڑھی، آنکھ پہ عینک، سر پہ گول ٹوپی، جبہ نما کرتا، کاندھے پر رومال، ہاتھ میں عصا کے ساتھ باوقار اور بارعب معلوم ہوتے جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے۔آپ خداترس، خدارسیدہ بندوں میں سے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ایسی جاذبیت اور ایسی کشش رکھی تھی کہ کوئی بھی آپ کو دیکھ کر مرعوب ومتأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور دعا کے لیے اپنا قدم نہ بڑھاتا ہو۔حضرت شیخ ثانیؒ کی زندگی گوناگوں صفات وخصوصیات کی حامل تھی، آپ اسلاف کی روایات کے امین ومحافظ تھے، تقویٰ وطہارت، انابت الی اللہ، عاجزی وانکساری، تواضع ومسکنت، فنافی اللہ، فکر آخرت سے معمور تھے، حصول علم بالخصوص فن حدیث کے دلدادہ وعاشق تھے، اس کے سچے، پکے اور بے لوث خادم تھے۔ آپ کے علم وعمل میں پختگی، گہرائی وگیرائی تھی، فکر ونظر میں بلندی ورفعت تھی، زبان وادب میں برجستہ گویائی تھی اور خطابت کی سحر آفرینی تھی، ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی تکلفات سے خالی اور تصنعات سے عاری تھی، مزاج میں سادگی، لباس میں خاک ساری ایسی تھی کہ ہر چیز سے آپ نمایا تھے۔

تمہارا حسن آرائش تمہاری سادگی زیور
تمہیں کوئی ضرورت ہی نہیں بنے سنورنے کی

علمی کمال اور دینی جمال کی بادِ بہاری: فخر ہند محدّث عصر حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل اور حدیث، فقہہ، تفسیر اور آسماء الرجال میں ایسا ملکہ عطاء فرمایا تھا کہ درس و تدریس کے دوران ایسا لگتا تھا کہ علم وکمال کی مینہ برس رہی ہے۔ ہر طرف علم وفن کی باتیں، علمائے سلف کے قصے، حدیث واسماء الرجال کے تذکرے، علمی نکتے اور لطیفے نمایا ہوتے، بچپن ہی سے آپ مطالعہ وکتب بینی کے دلدادہ ورسیا تھے، علمی ومذاکراتی انہماک ہر آن رہتا تھا۔ ان کے درس میں ایسا لگتا جیسے علم وفکر کا موسم بہار آ گیا ہو، فیضانِ علمی وبخشش آگہی کی بادِ بہاری چلنے لگی ہو۔

درس بخاری شریف کی خدمت اور اندازِ سخن: دارالعلوم دیوبند میں آمد کے بعد سے اور آخری سانس تک آپ نے بخاری شریف کی خدمت انجام دی، حضرت شیخ کی اس طویل عرصے تک بخاری شریف کی خدمت من جانب اللہ قبولیت کا حصہ تھی، ان کے لیے یہ بہت بڑی سعادت تھی، اور سب سے بڑی سعادت یہ تھی کہ آپ فراغت کے بعد ہی سے ہر جگہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

آپ کا درس بخاری بہت ہی مقبول تھا اپنے اندر درایۃ وروایت لیئے ہوئے تھا، نغمہ سرائی کا ایک ماحول ہوتا تھا، عبارت خوانی ایک انداز تھا، ہر چند آپ کا درس حدیث نہ صرف عالم عرب وعجم، بلکہ عالم اسلام کے لیے بے نظیر تھا، آپ کی گفتگو اصول حدیث اور شروط ائمہ اربعہ کے موضوع پر ہوا کرتا تھا؛ لیکن ساتھ ساتھ وہ فقہہ وتفسیر، ادب ولغت، نحو وصرف قرأت وتجوید، حکمت بیانی، طلاقتِ لسانی، لطیف اشاروں اور ماہرانہ رموز ونکات کا جامع ہوا کرتا تھا، جس سے درس دہندہ کی سلیقہ مندی کثرت علم وسعتِ مطالعہ، ظرف نگاہی، پختہ مغزی، طولِ تجربہ، فکر وفن سے گہری مناسبت اور اپنے موضوع پر دیرینہ ادھیڑ پن کے ساتھ ساتھ راہ اکتساب علم میں اس کی شب بیداری اور شمع شعاری وپروانہ مزاجی کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔ نیز ان کی ذہانت، قوّت حافظہ، کثرتِ محفوظات، طلبہ ومستفیدین کے سامنے مواد ومضامین پیش کرنے کے حوالے سے، ان کی فن کاری اور چابک دستی کا بھی پتہ چلتا تھا؛ لیکن ساتھ ہی جب بھی کسی عالم باکمال، زاہد اوّاب، محدّثِ جلیل، فقیہ بابصیرت کا تذکرہ کرتے ہیں، یا ان کے حصول علم کی داستان انکی زبان پر آجاتی ہے، یا راہِ علم میں بھوک پیاس سے بے پرواہو کر اور راستے کی درازی وخطرناکی سے بے خوف ہو کر اُن کی بے نظیر اخلاص،

اپنے خدا اور اُس کے رسول سے ان کی محبت وفنائیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، تو وہ بار بار آبدیدہ اور بے قابو ہو جاتے ہیں، کئی کئی منٹ تک سلسلہ درس منقطع کر دیا کرتے تھے۔

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جس کے سطاروں کو عرقناک

سینے میں اس کے درد تھا اور وہ بھی لازوال
اس دردِ لا زوال کا درماں چلا گیا

وفات :۔موت تو ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، اور یہ وہ مرحلہ ہے جس سے دینا میں ہر آنکھ کھولنے والے کو گزرنا ہے چاہے وہ کسی بھی مراحل پر کیوں نہ پہنچ جائے، وقت موعود آ کر ہی رہتی ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے، جو ٹل نہیں سکتا، بالآخر ۸۸ سال کی عمر میں پیٹ میں انفکشن کی شکایت ہوئی اور ۲۹ دسمبر ۲۰۱۶ کو علم وعمل کا یہ تابندہ سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنی آواز سے قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کرنے والا ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا اور اپنے مولائے حقیقی کے جوار میں چل بسا اور ہم سب طلبہ عزیز محبین دار العلوم کو رنجیدہ، افسردہ اور مغموم کر گیا، اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہ رَاجِعُوْ نْ ،،

وہ چراغ علم ہے اور خاک کی آغوش ہے
آہ! وہ طوفاں ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

اب ہم سب کا فرض ہے کہ جس انسان نے اپنی پوری زندگی ہمارے لئے وقف کر دی اور علم دین کا جام پلاتا رہا، اور اللہ کا دین اور اس کے رسول کی شریعت کی صداء سناتا رہا کہ اب انہیں اپنی نیم شب کی دعاؤں میں یاد کریں۔ اللہ تعالیٰ آپکو کروٹ کروٹ لمحہ لمحہ چین وسکون نصیب فرمائیں۔ آمین، ثم آمین

اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ لمحہ لمحہ چین وسکون عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل، حستہ جام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم خواص پہنچے، عوام پہنچے
تیری لحد پہ خدا کی رحمت، تیری لحد کو سلام پہنچے

(سورش کاشمیری)

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

خالد شریفؔ

دل نشیں وپیغام رساں اہل قلم

حضرت مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حدیث وادب ام المدارس دارالعلوم دیوبند

۲۳؍شعبان المعظم؍۱۴۳۸...................۲۰؍مئی ۲۰۱۷ء۔۹؍۳؍۱۹۴۰

از قلم

مفتی محمد عامر کانپوری عفی عنہ

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجموٗ، کانپور

داعی، مفکر اور منفرد اسلامی اہل زباں

حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ حدیث، فقہ وادب ام المدارس دار العلوم دیوبند

۹/مارچ ۱۹۶۰ء.....۲۳/شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ ۲۰/مئی ۲۰۱۷ء

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
تمہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

میرے مشفق ومربی، استاذ عالی مرتبت، مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری جنہیں اب بادل ناخواستہ رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر مجبور ہے، ان کی وفات کی خبر جان کاہ نے قلب وجگر کو ہلا کر، عقل وخرد کو بجھا کر رکھ دیا۔ آج کئی ماہ وسال گزر گئے، لیکن کچھ لکھ نہ سکا، کثرت مشاغل نے مراد امن نہ چھوڑا؛ لیکن لکھنا بھی ضروری تھا؛ کیونکہ دار العلوم اور حضرت سے وابستگی کے بعد سے ان کی یادیں رہ رہ کر تڑپاتی وترساتی ہیں۔ یاد کے الم میں آنکھیں اشکبار رہتی ہیں؛ اس لیے یہ سطریں لکھنے بیٹھا ہوں۔ اور یہ تنہا میرا حال نہیں، حضرت والا کی جدائی سے دار العلوم کے طلبہ واساتذہ اور متعلقین بالخصوص آپ کے فیض یافتہ اساتذہ وطلبہ میں اب تک صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے، شاید ہی کسی اور کی جدائی پر قلب اتنا مضطرب ہوا ہو اور آنکھوں نے اتنے آنسو بہائے ہوں اور ہر طرف علم

وادب کا سناٹا چھایا ہوا ہو۔

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے
خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے

اوصاف حمیدہ: حضرت مولانا محض ایک عالم دین ہی نہ تھے، کہ جسے صرف کتاب وسنت کا گہرا اور وسیع علم ہو، تعلیم وتربیت میں یدطولیٰ حاصل ہو، اور صلاح وتقویٰ، زہد وامانت، اخلاص ہو پاک نفسی سے حصہ وافر پایا ہو اور بس، وہ یہ سب کچھ تو تھے ہی؛ لیکن اور بھی بہت کچھ تھے۔

مولانا موصوف نے طالب علمی کے زمانہ سے ہی ایک مسافر کی سی زندگی گزاری، سادگی اور کفایت شعاری، ان کی زندگی میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ جیسے گلاب میں خوشبو اور تاروں میں روشنی۔

حضرت مولانا مردم گر اور عہد ساز شخص تھے، دارالعلوم دیوبند کے مسلک ومشرب، اس کی پاکیزہ روایات کے امین اور اور سلف وخلف کے بہترین پاسباں وجانشین تھے، علم وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، طبیعت میں سادگی، کمالِ تواضع، خردنوازی اور جذبۂ شفقت نے آپ کو غیر معمولی ہر دل عزیزی وقلب نوازی اور محبوبیت ومرجعیت عطا کردی تھی۔ دارالعلوم سے محبت آپ کی رگ وریشے میں سرایت کی ہوئی تھی، اس کی تعمیر وترقی، خیر وفلاح، بقاء ودوام کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں، کوششیں اور توانائیاں تن، من دھن کے ساتھ وقف کر رکھی تھیں۔

علمی کمال: آپ ایک جید، باکمال، لاتعداد ہنر کے مالک، بے شمار خصلتوں، مرقعہ، خشیت الٰہی میں ڈوبے ہوئے ایک عالم تھے۔ علم وفکر آفتاب وماہتاب، زبان وادب سے آراستہ وپیراستہ تھے، ان کی علمی لیاقت واخلاص کا بین ثبوت

ہے ان کا مشہور درالعلوم کی شان میں ادبی، ثقافتی شیریں، دل نوازی، حسن انتخابی ترانہ (علم وادب کا گہوارہ) ہے، جو ہر شخص کی، ہر محل میں زبان زد رہتا ہے، اس کا ہر ہر لفظ شیریں سے لبریز ہے، اس کا ہر جملہ وساختیات ان کی عظمت ورفعت، ان کی علمی لیاقت اور دارالعلوم سے والہانہ محبت کی گواہی دیتا ہے، اس کا ہر ہر لفظ حقیقت پر مبنی اور اس کا ترجمان، حسن آرائی کا سنگم اور بحر بے کراں ہے۔

ان کی ایک کتاب ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' ہے، جو اس موضوع پر پہلی تصنیف اور بے مثال کتاب ہے، اس میں شوریٰ کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، کسی تنظیم، تحریک اور ادارے کو چلانے کے لئے اور ان کو بام عروج پر پہنچانے کے لئے نظم ونسق، اصول وضوابط کا ایک حسین گلدستہ تیار کیا ہے، جس کی افادیت واہمیت کسی پر بھی مخفی نہیں۔

دوسری کتاب ''ایضاح البخاری'' شرح صحیح البخاری ہے، اس کی تحقیق اور خوبصورت زبان وانداز سے ہر کوئی مستفیض تھا، آپ کے اردو ادب میں بلند ذوق ہونے کی شہادت دیتی ہے، جس میں آپ کی ذاتی محنت ولگن، کثرت مطالعہ کے ساتھ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کی تقریر، صحبت وتوجہ کا بھی وافر حصہ ہے۔ تیسری کتاب نغمۂ سحر ہے جو حضرتؒ کی غزلوں، نظموں، قطعات، رباعیات اور مراثی کا دل آویز مجموعہ ہے۔ یہ کتاب اپنی گوناگوں خوبیوں اور خصوصیات کی بنا پر عصر حاضر کے ادب میں وسیع ترین اضافہ ہے۔

ولادت باسعادت: حضرت موصوفؒ کا نام ریاست علی، تخلص ظفرؔ تھا، اور والد گرامی کا نام منشی علی اور آپؒ کی پیدائش محلّہ حکیم سرائے علی گڑھ تھا۔ ۹/مارچ ۱۹۴۰ میں پیدا ہوئے۔

دارالعلوم سے وابستگی: ۱۹۵۱ء تک پرائمری چہارم اور علی گڑھ سے ادیب کامل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ

حدیث سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۷۲ء میں اللہ کے فضل وکرم سے دارالعلوم دیوبند میں بہ حیثیت استاذ مقرر ہوئے۔

ذہانت: حضرتؒ کی ذہانت کا عالم یہ تھا کہ دور سے آنے والے شخص کے چہرے سے جان جاتے تھے کہ یہ کیا کہے گا، اس کے بولنے سے پہلے جواب تیار کر لیتے تھے، یہ حاضر جوابی، ذکاوت وذہانت مبدأ فیض سے ملا تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک جلسہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ شریک تھے، نظامت کے فرائض مفتی سلمان صاحب منصور پوری انجام دے رہے تھے، اس جلسہ میں کسی صاحب کا بیان ہو رہا تھا، اس میں انہوں نے ایک غیر مستند واقعہ نقل کر دیا، ان کے بیان کے بعد مفتی سلمان صاحب نے نظامت میں غیر مستند روایت کی تصحیح کر دی، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نمبر آیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر پہنچ کر سب سے پہلا جملہ جو نقل فرمایا ہے وہ یہ ہے: ”میرے لیے ایسی جگہ بولنا بڑا مشکل ہے، جہاں لگے ہاتھ تصحیح کا کام انجام دیا جا رہا ہو“ مفتی سلمان کا بیان ہے کہ یہ جملہ سن کر میں شرمندہ اور پانی پانی ہو گیا بعد میں میں نے حضرتؒ سے معافی مانگی۔

سفر کا ایک عجیب واقعہ: حضرتؒ اسفار سے گریز کرتے تھے۔ خاص ضرورت کے بناء پر ہی سفر طے کرتے تھے، ایک دفع چند خاص محبین نے باصرار برطانیہ آنے کی دعوت دی اور سارے انتظامات مکمل کر لیے، آپؒ مقررہ وقت پر دہلی ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ ایمیگریشن کا مرحلہ آیا تو وہاں تعینات افسر نے آپ سے معمولی سوال کیا: آپ برطانیہ کیوں جا رہے ہیں؟ آپؒ نے نہایت سادگی اور کمال بے نیازی سے بغیر کسی تردد کے جواب عنایت فرمایا: جناب میں جانا ہی کب چاہتا ہوں، دوستوں کے اصرار کی وجہ سے مجبور ہوں،

آپ ہی کوئی ایسا نشان لگادیں کہ مجھے بھی ایک عذر ہاتھ لگ جائے اور میں جانے سے بچ جاؤں، آپؒ کے اس جواب پر افسر دنگ رہ گیا، لوگ آرزو وتمنا کرتے ہیں بیرون ملک کے اسفار کے لئے اور یہ بلاوے پر بھی انکار اکر رہے ہیں۔ افسر نے چہرہ بغور دیکھنے کے بعد کہا: نہیں مولانا: میں آپ کو واپس نہیں کروں گا، آپ کو برطانیہ ضرور جانا ہے۔

مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر چین پاتے ہیں
وہ موجیں سر پٹکتی ہیں جنہیں ساحل نہیں ملتا

ترانہ کی خصوصیت: اس ترانہ میں دارالعلوم کی خصوصیات بھی ہیں، اکابر دارالعلوم کا ان کے امتیازی رنگ کے ساتھ تذکرہ بھی ہے، تاریخی واقعات کی طرف اشارے بھی ہیں؛ لیکن ان تمام مضامین کے بیان میں شعری اصطلاحات اور تغزل کے تحفظ کا ثبوت جو حضرتؒ نے پیش کیا ہے وہ ان کی انفرادیت کی واضح علامت ہے۔

مثلاً: مبشرات دارالعلوم میں یہ ہے کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نو درے کی تعمیر کی جگہ نشانات لگائے، جو صبح کو دیکھے بھی گئے، یہ واقعہ جب شعر وسخن کی اصطلاح میں بیان ہوا، تو تغزل کی منہ بولتی تصویر بن گیا۔

خود ساقیٔ کوثر نے رکھی میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں

یا مثلاً: علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے تذکرے میں ان دونوں بزرگوں کی ہمہ جہت شخصیت کا تذکرہ بایں اسلوب ہوا ہے، جس میں ایک دوسرے استفادہ بھی واضح ہو رہا ہے:

رومی کی غزل رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمالِ انور سے ، پیمانۂ فخر الدین یہاں

ترانے کی ایسی بہت سی خصوصیات ہیں ، جو اپنے اندر ایک جامعیت، انفرادیت یکتائے گہر رکھتی ہے۔

آخری لمحہ: راقم کا تکمیل افتاء کا سال تھا، وہ بھی مکمل ہو چکا تھا، جدائیگی کا وقت قریب آچکا تھا، دارالعلوم سے رحلت کا وقت آچکا تھا، صرف حضرت کا دیدار باقی تھا۔ حسب معمول عصر کے بعد راقم آخری ملاقات کیلئے گھر گیا نہ جانے پھر ملاقات ہو سکے گی یا نہیں اور وہاں دیگر طلبہ بھی موجود تھے، سب باری باری مصافحہ کے بعد رخصت ہو رہے تھے، میرا نمبر بھی آیا تو میں بھی مصافحہ کے بعد جانے لگا تو حضرتؒ نے آواز دی عامر! چائے تیار ہے وقت میں گنجائش ہو تو چائے پیتے جائیں! اس آواز نے آنکھوں کو اشکبار اور دل کو رنجیدہ و مغموم کر دیا، قدموں کو ڈگمگا دیا، نہ چاہ کی بھی ان کی صداء پر لبیک کہنا پڑا، کیا پتا تھا کہ حضرت کے ساتھ یہ آخری ملاقات ہے۔

آباد مجھ میں تیرے سوا اورکون ہے؟
تجھ سے بچھڑ رہا ہوں تجھے کھو نہیں رہا

وفات: اب وہ وقت آچکا تھا، جو سب کے لئے آیا ہے اس سے کسی کو بھی مفر نہیں؛ کیوں کہ موت ایک ایک ایسی حقیقت ہے، جس پر سب مذاہب کا اتفاق ہے، اختلاف کسی کا نہیں؛ لیکن باکمال شخصیات کا اس دنیا سے چلے جانا باقی رہنے والوں کے لئے غم واندوہ اور آزمائش کا سبب ہوا کرتا ہے۔ گزشتہ چند مہینوں میں اس راہ پر مستعد داہم شخصیات کی جدائی کے غم کے پہاڑ ٹوٹے ہیں، جن میں

(حضرت مولانا عبدالحق اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، متوفی ۳۱؍دسمبر ۲۰۱۶ء) حضرت مولانا کفیل احمدی علویؒ، ناظم شیخ الہند اکیڈمی، متوفی ۱۲؍ مارچ؍ ۲۰۱۷ء (حضرت مولانا ازہر رانچی رکن مجلس شوریٰ، ۱۳؍مئی ۲۰۱۷ء) (حضرت مولانا قاری سید فخرالدین صاحبؒ ناظم شعبۂ تنظیم وترقی، متولی ۱۶؍مئی ۲۰۱۷ء) ابھی انہی غموں سے دارالعلوم اشک بار تھا کہ ۲۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰؍مئی ۲۰۱۷ء) کی صبح حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ رب حقیقی سے جا ملے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو غریق رحمت کرے، اور ہم سب کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آج ہر جگہ ان کی رحلت کے غم کا چرچہ ہے، آخر کیوں نہ ہو کہ علم وہدایت وشفقت کا بادل جوارِ رحمت میں جا کر آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

”ہر بوند ہے جس کی امرت جل، یہ بادل ایسا بادل ہے“

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے
(علامہ اقبالؒ)

یکتائے زمن

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی رحمہ اللہ

استاذِ حدیث وفقہ ام المدارس دارالعلوم دیوبند

۱۳۷۰/۱۴۴۰=۱۹۴۹/۲۰۱۹ء

ازقلم:

مفتی محمد عامر کانپوری

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجموٴ کانپور

یکتائے زمن

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی رحمۃ اللہ علیہ

استاذِ حدیث وفقہ ام المدارس دارالعلوم دیوبند

۱۳۷۰/۱۴۴۰=۱۹۴۹/۲۰۱۹ بروز اتوار

۲۳/رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۳۱/مارچ ۲۰۱۹/بروز اتوار بعد نماز مغرب کو اطلاع ملی کہ دارالعلوم (وقف) کے سابق استاذ اور دارالعلوم دیوبند کے موجودہ وممتاز صاحبِ قلم ولسان، شارحِ کتبِ کثیرہ، طلبہ واساتذہ کے دل کی دھڑکن حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی دامت برکاتہم دہلی کے ہسپتال میں اپنی جان، جان آفریں کوسپرد کی، اوراپنے رب کے جوارکواپنا مَسکن بنایا ''اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ''

ے

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنُوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

موت زندگی کا دوسرا نام ہے، کسی کی آمد ہے، توکسی کی رحلت، کہیں صبح عید ہے، تو کہیں غم جمیل، آج ان کی باری تھی، توکل کسی اور کی تیاری ہے، یہ آمد ورفت تو یوں ہی چلتا رہے گا؛ لیکن کچھ شخصیتوں کے چلے جانے سے جو دُکھ ودرد، رنج واَلم اورخلامحسوس ہوتا ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، ان ہی شخصیتوں میں ایک شخصیت حضرت

الاستاذ مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی ہیں، آج جن کے چلے جانے سے ہرسو و ہرسمت اندھیرا ہی اندھیرا ہے، رنج وغم کے بادل ہرعام وخاص کے چہرے پر چھائے ہوئے ہیں، دارالعلوم کی گلی کوچے نالہ وفریاد ہیں۔

''مثالی سراپا'' کہ کون چل بسا یہاں کہ ہر آنکھ اشک بار ہے

مثالی ''سراپا'' حضرت مولانا سانولے بھرا ہوا اور صباحت کی مثال کتابی وبیضوی آمیزے کے چہرا، کھڑی ناک، بڑی بڑی آنکھیں، گھنیری بھوئیں، متوسط القامت، نحیف الجسم، گھنیری داڑھی، چال میں عالمانہ شان، نشست وبرخاست میں دین دارانہ امتیاز، حرکات وسکنات سے صالحانہ تھے۔ اپنے وقت کے ممتاز جان کار اور سب سے بڑے شارح اور اسلام کی ناطق زبانِ فیض ترجمان تھے۔

حضرت مرحوم ایک لمبے عرصہ سے ایک انتہائی مہلک مرض سرطان (کینسر) میں مبتلا تھے اور مسلسل زیرِ علاج تھے؛ مگر افاقہ نہ ہوسکا؛ کیوں کہ تقدیر کو منظور نہ تھا، وقت موجود آچکا تھا، بالآخر ۷۰ سال کی عمر میں موت کے فرشتہ کی دعوت پر لبیک کہہ دیا۔ علمِ دین کا یہ جیالہ، درس وتدریس کا شیدائی، افہام وتفہیم کا مالک، زبان وقلم کا بادشاہ، حق و صداقت کا پیکر اب نہ رہا، لہٰذا طلباء، اساتذہ، رفیق اور سب ہی خدام دارالعلوم کو الوداع کہہ چلا۔ ؎

فروغ شمع جو اب ہے، رہے گی رہتی دنیا تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

دارالعلوم میں خدمات:

حضرت موصوف تدریس کے حوالے سے انتہائی کامل ومکمل، معتبر، دلوں کو جیت لینے والے شخصیت کے مالک تھے، ان کی پوری زندگی درس وتدریس میں صرف ہوئی،

دارالعلوم وقف میں کم وبیش ۱۸؍سال تدریسی خدمات انجام دیں، دارالحدیث کے مسند پر فائز رہے، پھر دارالعلوم کا رُخ کیا اور اپنی آخری سانس تک ہر چھوٹی و بڑی کتابوں کی تدریسی و تصنیفی خدمت انجام دیتے رہے، کبھی ''نورالانوار'' کبھی ''ہدایہ'' تو کبھی ''مختصر المعانی''، کبھی ''بیضاوی'' تو کبھی ''قواعد الفقہ'' پڑھاتے نظر آئے، درسِ کارواں اسی طرح مسلسل مختلف عنوان سے، مختلف اوقات میں جاری وساری رہتا، آہ! اب یہ سلسلہ بھی رُک گیا؛ کیوں کہ ہر چیز کی گردش کا ایک وقت ہے، اپنے وقت پر ہی چلتا ہے اور اپنے وقت میں ٹھہرتا ہے؛ کیوں کہ یہی قدرت کا قانون ہے، دستور ہے اور منشور ہے۔ درس میں ان کو وہ درک و گہرائی حاصل تھی کہ طلبا ان کو درس گاہ سے قبل از وقت اُٹھنا، یا گھنٹہ ناغہ کرنا متاعِ گراں مایہ کا فقدان تصور کرتے تھے، ان کا پڑھایا ہوا سبق قلب پر نقش لازوال بن جاتا تھا، اس وجہ سے ان کے ہر ہر لفظ کو طلبہ سپرد قرطاس کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے؛ کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ متاعِ گراں مایہ ہمارے درمیان نہ رہے گا۔ ؎

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری؟

تصانیف:

حضرت مولانا کی چھوٹی بڑی درسی کتابوں کی بے نظیر شروحات ہیں جو عام وخواص میں بالخصوص پڑھنے و پڑھانے والوں کے درمیان مقبول ومشہور ہیں۔ موصوف کی کتابوں کی افہام وتفہیم، ترکیب وتبویب، تسہیل وترتیل، اور اندازِ تحریر تھا شاید و باید کسی اور شروحات میں نظر آئے، یہ خصوصیت اللہ نے ان کے اندر بطورِ ودیعت رکھی تھی، جس کے سبب درس و تدریس کا سلسلہ ہر ایک کے لیے آسان ہوا۔ ہر پڑھنے و پڑھانے

والوں کا ثواب ان کی روح کو پہنچے گا، ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا، درجات کی بلندی کا سبب ہوگا۔ ان کی کتابوں میں سرفہرست ہدایہ کی شرح ''اشرف الہدایہ'' ہے جو تقریباً ۱۰؍جلدوں میں ہے، کافی مقبول، مشہور اور فیض بار ثابت ہوئی، عام وخواص، ہر کس و ناکس سب کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانا آسان ہے۔ (۲) مختصر المعانی کی شرح ''تکمیل الامانی'' جو ۳؍جلدوں میں ہے یہ بھی طلبہ و اساتذہ کے درمیان کافی مقبول ہوئی۔ اسی شرح میں مختصر کی ہر مغلق و پیچیدہ عبارتوں کو آسان لفظوں میں، دلکش آنداز میں، حسنِ ترتیب کے ساتھ اور واضح مفہوم کے ساتھ بیان کیا، اس قدر واضح کیا کہ مختصر کے پڑھانے والوں کے چہروں سے افسردگی اور ذہنوں سے خوشکی زائل ہوگئی۔ (۳) اُصول الشاشی کی شرح ''اجمل الحواشی'' یہ کتاب بھی طلبہ میں بری مقبول ہوئی اور غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں اُصول الشاشی کے مسائل، اُصول اور قواعد کو سہل انداز میں بیان کیا اور اعتراضات و جوابات کو محقق و مدلل انداز میں اس طرح بیان کیا کہ سارے خلجان دُور ہوگئے۔ (۴) نورالانوار کی شرح ''قوت الاخیار'' یہ کتاب دوجلدوں میں ہے، اس کتاب کا انداز وترتیب بے مثال ہے، نورالانوار کے سارے اعتراضات و جوابات کو کافی وشافی انداز میں بیان کیا، آسان سے آسان تر مفہوم میں اس کے مسائل کو سپردِ قرطاس کیا، کسی بھی طرح کی تشنہ لبی کو باقی نہ رکھا۔ یہ کتاب بھی مدارس کے ماحول میں بری مقبول ہوئی، یہ کتاب اپنے مقاصد ومفاہیم میں یکتا ہے۔ (۵) حسامی کی شرح ''فیضِ سبحانی'' یہ شرح بھی دوجلدوں میں ہے۔ حسامی جیسی مغلق و پیچیدہ عبارتوں کو حسنِ خوبی کے ساتھ بیان کیا، چھوٹے چھوٹے مسائل کو الگ الگ کرکے واضح مثالوں کے ساتھ بیان کیا اور ساتھ ہی اس کے اُصول وضوابط کو تعریف مع مثال بیان کیا، بہرحال یہ کتاب بھی اپنی ایک مثال رکھتی ہے۔

آج مرحوم ہمارے درمیان نہیں رہے؛ لیکن ان کی یہ علمی کاوشیں رہ رہ کر تڑپاتی و

ترساتی ہیں، ان کا درسِ شیریں یادِ بہاراں بن کر آنکھوں کو اشکبار کیے ہوئے ہے، آج ان کے غم سے دل پارہ پارہ ہے، ہر سمت اُداسی چھائی ہوئی ہے، دارالعلوم کی درودیوار، خاک وزارت، طلبہ واساتذہ نالہ وفریاد ہے، آج ان کی جدائی پر دل مغموم ومجروح ہے اور قلم ساکت وحیران ہے، قدرت کے خزانے میں کوئی کمی نہیں؛ لیکن بظاہر کوئی اور صاحب القلم واللسان جمیل آپیدا نہ ہوگا۔

حیاتِ انساں ہے شمع صورت، ابھی ہے روشن ابھی فسردہ
نہ جانے کتنے چراغ یوں ہی جلا کریں گے، بجھا کریں گے

علم ودانش کا جمال باصفا رخصت ہوا
نرم خوئی کا وہ دل کش آئینہ رخصت ہوا

اسلامی عربی، اُردو کے ہنرمند ومایۂ ناز اہل قلم

حضرت مولانا وعلاّمہ جمال احمد صاحب، بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۵۹ھ/۱۹۳۰ء..............................۱۴۴۰ھ/۲۰۱۹ء

استاذِ تفسیر وادب ام المدارس دارالعلوم دیوبند

از قلم
مفتی محمد عامر کانپوری عفی عنہ
استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجموٗ، کانپور

اسلامی عربی اُردو کے ہنرمند و مایہ ناز اہل قلم

حضرت مولانا وعلّامہ جمال احمد صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۳۰ء.....۲۰۱۹ء

استاذ تفسیر وادب ام المدارس دارالعلوم دیوبند

کون سا جھونکا بجھا دے گا کسے معلوم؟
زندگی کی شمع روشن ہے ہوا کے سامنے

سہ شنبہ بروز منگل کو قدرت الٰہی کا فیصلہ آیا اور اپنے اکابر کی ایک کڑی کو اپنے آغوش میں لے چل بسا، ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا، ہر چہرے اداس ہو گئے، ہر محفلیں رنج وغم میں ڈوبی گئیں، نہ جانے اب کس کی باری ہے۔ دارالعلوم میں، شہر دیوبند میں اور قرب وجوار کے تمام شہر و دیہات میں جس نے جہاں یہ خبر سنی وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا، پر ہر انسان قدرت کے آگے مجبور ہے، وقت موعود یقینی ہے، ہر ایک کو آنی ہے۔ علامہ موصوف کی وفات کی خبر نے لوگوں کو بتادیا کہ بلبل اسلام، جو برسوں سے دارالعلوم میں اس کے طلبہ واساتذہ کو نیز قرب وجوار کو، بلکہ پورے عالم اسلام کو اسلامی شریعت وحکمت اور علم وعرفاں کی اپنی شیریں اور مشک وعنبر سے دہلی ہوئی زبان وقلم سے حدی خوانی کرتے رہے، اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے، حضرت علامہ عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

ولادت باسعادت: حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ کی ولادت برٹش گورنمنٹ کے دورِ حکومت میں ۱۹۳۰ء بلند شہر میں ہوئی، آپ کی عمر تقریباً ۸۱ برس تھی، آپ شریف اور معزز گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

تعلیم کا آغاز: ابتدائی تعلیم مختلف مدارس سے حاصل کرتے ہوئے پنجم کے سال از ہر ہند ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لیکر اس کے چشمہائے فیض رواں اور منتہائے علوم بے کراں سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اور ۱۹۵۶ میں شیخ العرف والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند) سے بخاری از اوّل تا آخر پڑھی گویا کہ حضرت مرحوم دارالعلوم کے اساتذہ میں تادم آخران چار حضرات استاذ محترم بحر العلوم، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا بلال اصغر صاحب دیوبندی اور حضرت علامہ قمر الدین صاحب بلیاوی مدظلہم العالی اور ایک خود حضرت مرحوم میں سے ایک تھے جن کو حضرت شیخ الاسلام کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

دارالعلوم سے وابستگی اوروہاں تدریسی کارواں: حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ تقرری ۱۹۸۶ میں ہوئی اور تادم حیات اس فرض منصبی کو بحسن خوبی ودل جمعی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ لاکھوں طلبہ وعلماء کو فیض پہنچاتے رہے اور اس کا صلہ انشاء اللہ آخرت میں خوب ملے گا۔ آپؒ نے دارالعلوم میں ۳۴ سال درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور اس اثناء میں متعدد چھوٹی وبڑی کتابیں پڑھاتے رہے۔ کتب متداولہ میں سے تفسیر وفقہ کی متعدد کتابیں آپ سے متعلق رہیں، جن میں ہدایہ، جلالین، قرآن شریف کا ترجمہ، مقامات حریری، حسامی وغیرہ ہیں۔

تصنیف وتالیف: دارالعلوم میں درس کارواں جاری رکھتے ہوئے، آپ کے گہربار قلم سے مختلف، قیمتی وعلمی شروحات منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ (۱) فقہ حنفی

کی مشہور معروف متداول کتاب ہدایہ کی شرح جو سلیس زبان ۔واضح تشریحات اور عمدہ ترتیب کے ساتھ مقبول نظر ہے(۲) فقہ حنفی کی اصول پر مایہ ناز کتاب حسامی کی شرح جو اپنے انداز وگفتگو میں نکات وفوائد میں ، اصول وضوابط میں اور تسہیل وترتیب میں بے نظیر و بے مثال ہے۔جواب تک طلبہ میں منظور نظر ہے اور دستگیر ہے۔(۳) علامہ حریریؒ کی کتاب مقامات حریری کی شرح ، جو اپنے بامحاورہ ترجمہ،عمدہ تعبیرات، پیچیدہ کا مغلق ترکیبوں کے حل، نئے وپرانے الفاظ کے تشریح وتوضیح کے ساتھ اور دل نشی وضاحت کے ساتھ ہر مدرس کے حلقہ میں، ہر طلبہ کی نظر میں مقبول عام ہوئی۔(۴)علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور(علامہ جلال الدین محلی دو استاذ وشاگرد رحمۃ اللہ علیہما) کی مایہ ناز تفسیر (جلالین شریف کی شرح جمالین جو ظاہری وباطنی دونوں اعتبار سے ایک لازوال علمی سرمایہ ہے۔اس کتاب کو جس انوکھے البیلی فنی اور وسعت علمی کے سانچے میں ڈھالی گئی ہے اور ندرت وبالغ نظری کے پیرائے میں لکھی گئی ہے، وہ یقیناً علامہ موصوف کے دریائے علم اور بحر عرفاں کی غمازی کرتی ہے،جس کا صلہ تا قیامت علامہ موصوف کو ملتا رہے گا،ان کا درجہ بلند ہوتا رہے گا۔(۵)''قرۃ العینین'' آپؒ نے سہل انداز میں، عام فہم میں جلالین کا معنی خیز، اور مفہوم آمیز اور مثل جامِ جہاں نما ترجمہ کیا، جو آج بھی علمی حلقوں میں کافی مشہور ہے۔یہ دونوں کتابیں برصغیر کے ہر مکتبہ فکر میں مقبول ہوئی۔ان کے علاوہ آپ کے علمی آبشارے سے اور بھی کئی دوسری درسی وغیر درسی آب جوئیں جاری ہوئیں۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

وفات: موت سب سے بڑی سچائی اور سب سے تلخ حقیقت ہے۔اس کے بارے میں انسانی ذہن ہمیشہ سوچتا رہا ہے،سوال قائم کرتا رہا ہے، دوسروں کو قصوروار ٹھہراتا رہا ہے؛ لیکن یہ ایک ایسا معمہ ہے، جو نہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی حل ہوتا ہے۔علامہ جمال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معمہ درپیش آیا،ایک طویل علالت کے بعد میرٹھ کے اسپتال میں ۱۸ر ستمبر بروز جمعرات کو عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت فرما گئے اور پرنم آنکھوں کے ساتھ، دل کے رنجیدہ وافسردہ طبیعتوں کے ساتھ قاسمی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“۔

جنہیں اب گردش افلاک پیدا کر نہیں سکتی
کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گور غریباں میں

☆☆

موت سے کس کو رستگاری ہے؟
آج ان کی ، تو کل ہماری باری ہے

اللہ جل جلالہ سے امید ہے کہ وہ حضرتؒ کے چھوڑے ہوئے علمی کارناموں کو تا قیامِ قیامت باقی رکھیں گے اور ان کو حضرت کی مغفرت اور آخرت میں بلند مرتبت کا ذریعہ بنائیں گے۔آمین

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

خالد شریف

مردِ آہن

حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور کانپور
قاضی شہر کانپور و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء.....۱۴۴۱ھ/۲۰۱۹ء

از قلم

مفتی محمد عامر کانپوری عفی عنہ

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجمؤ، کانپور

مردِ آہن

حضرت مولانا، مفتی منظور احمد صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

قاضی شہر کانپور، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند وسابق شیخ الحدیث

مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور کانپور

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء.....۱۴۴۱ھ/۲۰۱۹ء

آتا ہے کون جرأت اظہار کی طرف
ہجوم دیکھ کر رستہ نہیں بدلتے ہم

سالہا سال کی بیماری اور بڑھاپے کے بہت سارے عوارض کے ساتھ طویل کشمکش کے بعد شیر کانپور، مردِ آہن، مردِ قلندر اور حق گوئی وبیبا کی کا مردِ مجاہد ۳؍ نومبر بروز اتوار ایکسل ہاسپٹل میں اپنی آخری سانس لی اور ہم سب کو الوداع کہہ چلا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَا جِعُوْنَ)

اس دنیا میں آمد ورفت لگی رہتی ہے، آنا بھی وقت پر اور جانا بھی وقت پر۔ پیغمبروں کی آمد ہوئی پھر وہ کوچ کر گئے۔ ولیوں نے رخ کیا پھر وہ بھی رخت سفر باندھ گئے، علماء نے سفر شروع کیا پھر جلد ہی رخصت اختیار کی، بلکہ یہ سلسلہ ہر ذی روح کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے، کسی کو بھی اس سے رستگاری نہیں، بس باری کا انتظار ہے یوں تو ہر آدمی کی جدائی اس کے متعلقین اور عزیز واقارب کے لیے سوہان روح، قلب وجگر کو مضرت رساں اور ناگوار خاطر ہوتی ہے، مگر بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بہت سی علمی مجلسیں سونی اور ویران ہو جاتی ہیں، علم وفکر کے بہت سے دروازے بند ہو جاتے ہیں، تعمیر

وترقی کی راہیں مسدود اور انتظام وانصرام کے پیمانے خالی نظر آنے لگتے ہیں، اور منبر ومحراب پر ایک اندھیرا سناٹا چھا جاتا ہے؛ بلکہ ہر سمت غم کے بادل چھا جاتے ہیں ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل رنجور ومغموم ہو جاتے ہیں۔

ایک وہ ہیں کہ جنہیں اپنی خوشی لے ڈوبی
ایک ہم ہیں کہ جنہیں غم نے ابھرنے نہ دیا

آج مفتی رحمۃ اللہ علیہ کے دنیا سے چلے جانے سے ہر محفل، ہر انجمن، ہر بزم سوگوار ہیں، نالہ کناں اور فریاد وفغاں ہے۔

جرأت وبیباکی میں یکتائے روزگار: مفتی صاحبؒ اپنی جرأت وبے باکی کے لئے مشہور تھے۔ وہ چند سال تک مسلمانوں کی مظلومیت اور اُن کی حق تلفی کے خلاف اٹھنے والی واضح اور نمایاں آواز کی حیثیت رکھتے تھے، دین متین پر کوئی آنچ آجائے ان کو گوارا نہ تھا، ہر باطل فرقوں سے نبرد آزمائی کرنے کی بے پناہ صلاحیت تھی، جواں مردی، جفاکشی ان کی گھٹی میں ملی ہوئی تھی۔ ان کا رعب دبدبہ ہر ایک پر عیاں رہتا تھا۔ عالم شباب میں گرجتے وبرستے بادل تھے، ہر ایک پر گرجتے وبرستے تھے کوئی بھی اس فیض سے بے فیض نہیں رہتا، ہر ایک کے دل میں اور ہر ایک کے زباں پر رہتے، اسی لیے تمام مسالک ونقطہ ہائے نظر کے مسلمان ان کی بے پناہ عزت کرتے تھے، چنانچہ جیسے ہی ان کی وفات کی خبر عام ہوئی کانپور کے سارے مسلم علاقوں، بالخصوص جاجموٴ کے وسیع تر اطراف پر غم والم کے بادل چھاگئے، مدارس ومکاتب بند ہوگئے، تجارتی سرگرمیاں موقوف

ہوگئیں۔ سارے قابل ذکر قائدین وسیاست داں اور مسلم تنظیموں کے ذمے داروں کا رخ ان کے گھر کی طرف تھا، جواُن کے پسماندگان سے تعزیت کرنے کے لیے بڑی تعداد میں آتے رہے، جس سے اُن کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا تھا۔

مسلمانوں کی تکلیف کو دیکھ کر اٹھنے والے:

مفتی صاحبؒ کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ مسلمانوں کو لگنے والے کسی زخم کو دیکھیں اور بے تابانہ تڑپ نہ اٹھیں۔ وہ ظلم وناانصافی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تو بہت ہی بری طرح گرجتے تھے۔ ان کی بے باکانہ تقریریں، مسلمانوں اور دبے کچلے طبقوں کے خلاف حکومت کے ظلم وناانصافی کے رویوں پر ان کے پرزور احتجاج اور ان کے گرجنے وچنگھاڑنے کی صدا نہ صرف پورے کانپور، بلکہ ملک کے اطراف واکناف میں سنائی دیتی تھی۔ وہ اس سلسلے میں اپنے ذاتی مفادات کا خیال کرتے تھے نہ حکومت وقت کی دارو گیر سے ڈرتے تھے، نہ فوج وپولیس کے ذریعے گرفتاری سے گھبراتے تھے۔ بعض دفعہ مفادات کا خیال رکھنے والے اور حکومت کی طرف سے پیش آنے والی گرفتاری کے خطرات کو پیش نظر رکھنے والے قائدین، مفتی صاحبؒ کی جرأت بے باکانہ کو ناعاقبت اندیشی، سیاسی غباوت، زندگی اور اس کے مسائل سے نمٹنے کے طریقوں سے حد درجہ ناواقفیت اور مسلمانوں کے مفادات کے تئیں احمقانہ رویے سے تعبیر کرتے تھے؛ لیکن یہ سچ ہے کہ مفتی صاحبؒ نے نہ تو بے وقوف تھے اور نہ ہی سیاسی آگہی اور قائدانہ بصیرت سے عاری اور نہ ''فریاد'' کے موقع ومحل سے

نا آشنا؛ لیکن وہ صاف دل تھے، ان میں حالات اور ظلم و ناانصافی پر چیخ اٹھنے کے حوالے سے بچوں کی سی معصومیت تھی، عوام کی سادگی تھی اور پیچیدگیوں کی فطرت پر نہ پیدا ہونے والے لوگوں کا سا عام انداز تھا، جب کہ ''عقل مند'' سیاست داں اور قیادت داں حضرات ''فریاد'' کرنے میں بھی موقع ومحل کا خیال رکھتے ہیں۔

چوٹ کھائی ہم نے کئی بار ؛ لیکن
بات ہم نے حق گوئی کی کی

ولادت باسعادت: آپؒ کی ولادت ۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۱ء ضلع جون پور کے چھوٹے گاؤں پوٹریا میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا نام حکیم عبدالسلام دادا کا نام مولانا محمد مسلم تھا۔ ضلع جونپور ہمیشہ سے علماء وصلحاء کا مرکز رہا ہے۔ علم وادب کا منبع رہا ہے، عرصہ دراز سے یہاں علم کی شیدائی بجتی رہی، قاضی شہاب الدین غزنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نامدار نے اس شہر کو رونق بخشی۔

تعلیم کا آغاز: آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے مکتب سے کیا، پھر چند ماہ بعد اعظم گڑھ کے قصبہ سرائے میر کے مدرسہ بیت العلوم میں حاصل کی تقریباً آپ نے یہاں سال ہفتم تک تعلیم حاصل کی پھر اس کے بعد سند فراغت کیلئے ۱۳۷۱ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے، ۱۳۷۳ھ میں قطب عالم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شیخ زکریا صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھی۔ فراغت کے بعد آپ نے ''بھارت طبیہ کالج'' جو سہارنپور میں واقع ہے طب اور حکمت کی تعلیم حاصل کی تقریباً ایک سال تک ؛ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا اللہ کو آپ سے دینی خدمات

لینا تھا اور آپ کا فیض سارے عالم میں پہنچانا تھا؛ اس لئے خداوند قدوس نے آپؒ کو اپنے دین کی نشر واشاعت کے لئے منتخب کیا اور آخری سانس تک اس پر قائم ودائم رکھا یہی اللہ کی قبولیت اور ان کی مقبولیت کا راز ہے جو

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کا مصداق ہے، جو بالکل برحق ہے۔ چنانچہ آپؒ نے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے حکم سے طب وحکمت کو چھوڑ دیا اور اپنے اصلی مقصد کی طرف لوٹ آئے، جس کے لیے اللہ نے آپ کو پیدا کیا تھا اور انہیں منتخب کیا تھا۔

آپؒ کے اساتذہ: ایسے تو بے شمار علماء کرام سے آپؒ نے علم حاصل کیا، لیکن آپؒ کو پروان چڑھانے میں گوہر نایاب موتی بنانے میں، جرأت وبے باکی کا مرد آہن بنانے میں چند علماء کرام کی نظر تھی، جو آپؒ کے مربی ومشفق بھی تھے، جن میں سرفہرست حضرت فقیہ الامت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا امیر کاندھوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی خصوصی توجہات نے فقہ وفتاوی میں مہارت پیدا کردی تھی، علم وعمل میں بام عروج پر پہنچادیا تھا۔

صحبت صالح: کسی بھی انسان کی ترقی کا راز، عمل وعمل میں پختگی کے اسباب اور خوف خدا، فکر آخرت کے ذرائع میں صحبت صالح کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ جس کسی انسان کو آپ دین کے حوالے سے ترقی کے راہ

پر دیکھیں گے تو صحبت صالح کا ایک بہت بڑا حصہ شامل رہتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ بھی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں ہر جمعہ کے دن حضرت مدنیؒ کے درس میں شریک ہونے کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاتے اوران سے ظاہری وباطنی خوب خوب استفادہ کرتے، یہ آمدورفت اور فیضیابی کا سلسلہ تقریباً تین سال تک رہا، پھر جدائیگی کا وقت آگیا۔ آپ اسی دوران شیخ زکریا رحمۃ اللہ سے بھی تعلق قائم رکھا پھر اس کے بعد مولانا محمد پرتاپ گڑھیؒ سے۔

درس وتدریس اورعلمی لیاقت: آپ علم وعمل، درس وتدریس اور خطابت میں ید طولا رکھتے تھے، ہر فن میں آپ کو دسترس حاصل تھی اور آپ اپنے طالب علمی کے زمانہ سے اپنے اساتذہ کے محبوب نظر تھے، اسی وجہ سے حضرت مفتی الامت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کی نظر آپ پر ٹکی ہوئی تھی آپ کے اندر وہ جوہر اور ایسا ملکہ محسوس کرتے تھے جس سے امت کو فائدہ پہنچنا یقینی تھا، لہٰذا حضرت گنگوہیؒ نے مفتی صاحبؒ کو علم وحکمت سے ہٹا کر مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور میں متعدد حضرات ذمہ داران کی رائے ومشورے سے بحیثیت استاذ بنالیا۔ تقریباً آپؒ نے ۵۵ سال تک مدرسہ جامع العلوم میں رہ کر ہزاروں علماء وطلبا کو فیض پہنچایا، صرف کانپور والوں کو ہی نہیں؛ بلکہ اطراف کانپور کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ آپ ۵۵ سال کی مدت میں اوّل تا آخر ساری کتب آپ نے پڑھائی اور ہر فن میں پڑھائی اور اسی ادارے میں ۵۲ سال تک

شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، بخاری شریف کا درس دیتے رہے، قال اللہ وقال الرسول کی صدا سناتے رہے، اور فقیہ الامت مفتی محمود یا لحسن صاحب گنگوہیؒ کی مسند کو زینت بخشتے رہے اور معذور ہونے تک آپ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں ہے لاالہ الا اللہ

عہدہ قضا: شہر کانپور کے سابق قاضی احمد حسینؒ کے انتقال کے بعد آپؒ ۱۴۰۰ھ میں باقاعدہ منجانب حکومت منصب قضاء پر فائز ہوئے اور تقریباً ۴۰ سالوں تک بخوبی قضاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران ہر مظلوم کی آواز پر کھڑے رہے، ہر باطل فرقوں کا مقابلہ اور تعاقب کرتے رہے، اپنی آن بان اور شان کے ساتھ ہر میدان میں نبرد آزمائی کرتے رہے، چاہے وہ دینی اسٹیج پر ہو یا دنیوی کٹگھرے، ہر ایک کے لئے اپنی آواز کو بلند کرتے یہاں تک کہ اس کا حق نہ دلا دیں۔ وہ ہمیشہ حق وصداقت کا سبق دیتے تھے، اپنی دینی اخوت کو عام کرتے تھے، عصبیت سے بے انتہا نفرت کرتے تھے، ہر گلی گلی ونگر نگر امن وامان کو بحال رکھنے کیلئے کوشاں رہتے تھے اور اپنا فیصلہ دینی شریعت کے پیش نظر نافذ کرتے تھے، ذات پات ودھرم کا لحاظ نہیں کرتے تھے، کبھی کسی کی دولت پر نگاہ نہیں اٹھائی اور نہ کبھی کسی تنگدستی سے نظر ہٹائی۔

آئین جواں مردی، حق گوئی وبیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

رکن شوریٰ: جب اللہ کسی کا فیض عام کرتا ہے تو وہ اسے وہ ملکہ، شعور اور حساسیت عطا کرتا ہے جس سے افراد کو اداروں کو اور تنظیموں کو ثابت قدمی اولوالعزمی اور جلا ملتی ہے آپ کی ذہانت، لیاقت، رائے میں پختگی، کام میں ثابت قدمی اور غور وفکر اصابت رائے کی وجہ سے آپ کو ملک کے دو عظیم ادارے (دارالعلومی دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور) کے شوریٰ کا رکن بنایا گیا۔ آپؒ نے اس ذمہ داری کو بھی بحسن وخوبی اور دینی حمیت کے پیش نظر انجام دیتے رہے، آپ کے حسن انتظام، صحیح مشوروں اصابت رائے نے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں نہ جانے کتنی خوشگوار تبدیلیاں پیدا کیں۔ تعمیر وترقی کی راہیں ہموار کیں، آپ کی ثابت قدمی اور اولوالعزمی نے نہ جانے کتنے اداروں، جامعات، مکاتب اور مساجد کو ایک نئی زندگی، نئی جہت، نئی فکر اور خوشگواریاں عطا فرمائیں جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا، جس کا صلہ تا قیام قیامت ملتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

(اکبرالہ آبادی)

جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے

اساسی رکن: آپؒ ایک عرصہ دراز تک جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے، اس کی دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے، اس اسٹیج سے ظالم کی جارحیت کی بیخ کنی کرتے رہے، مظلموں کا سہارا بے کسوں کے مددگار بنے رہے۔ ۱۹۹۲ء کے فسادات میں آپؒ نے متعدد مقامات پر امن وامان قائم رکھنے،

جذبات کو قابو رکھنے اور مسلمانوں کے جان و مال کی تحفظ کی بقا کیلئے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اور آپؒ ایک عرصہ تک جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے اساسی رکن رہے۔

مثالی اور روایتی صاف گوئی و بے باکی کا نمونہ:

آپؒ واقعی بے لاگ اور بے داغ سیرت کے حامل تھے۔ آپؒ کی للکار سن کر سارے زعما خود اسٹیج پر موجود ہوتے ہوئے سناٹے میں آجاتے انہیں لگتا جیسے کسی نے ان کی زبردست گوشمالی کردی ہو۔ اور ''عقل عیار'' کی کسی بات کو کسی وقت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے؛ کیوں کہ ضمیر کی پاکیزگی اور جراحت دل کا گہرا احساس انہیں جنون بے خطر کے اشاروں پر چلنے پر مجبور کردیتا تھا۔

ہمیں گواہ بنایا ہے وقت نے اپنا
پیامِ عظمت کردار آؤ سچ بولیں

ستم ہائے زمانہ:

ہر انسان کے زندگی میں نشیب و فراز آتے ہیں، لیکن کارہائے حیات میں نشیب و فراز چاہے کتنے آئیں کام کسی نہ کسی طرح چلتا رہتا ہے۔ جب کسی انسان میں جواں مردی، دوڑتا ہوا خون اور عہدہ و اقتدار کا مالک ہو، ہر انسان اس کا احترام اور سلام کرتا ہے، اس کی گیت گاتا ہے جیسے جیسے وہ بڑھاپے کے آغوش میں بستر مرگ پر پہنچتا ہے جوانی کو الوداع کہتا ہے اور عہدہ و اقتدار سے کنارہ کش ہوتا ہے اور اس سے وابستہ مطالب و اغراض پورے ہو چکے ہوتے ہیں، تو ویسے ویسے اس کی قدر و منزلت گھٹنے لگتی ہے، اس سے کنارہ کش کیا جانے لگتا ہے، اس کے کارنامے کو بھولا یا جانے لگتا ہے۔ زندہ کو مردہ تسلیم کیا جانے لگتا ہے اور مرنے کے بعد

اس کے مسیحا بن جاتے ہیں۔ ستم ہائے زمانہ کا کیا کہنا، جب مفتی صاحب بام عروج پر تھے تو ہر ایک ان کا تھا؛ لیکن جب کنارہ کش ہوئے، تو سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیا تعزیتی اجلاس سے کسی کی روح کو تسکین پہنچ سکتی ہے؟ اس کی لحد کو نور مل سکتا ہے، اس کا حق ادا ہوسکتا ہے؟ ہر شخص اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اپنے تاثرات سے اپنا تعلق، اپنی محبت تہہ دل سے اقرار اور اظہار کرتا ہے۔ یہ بہت اچھی چیز ہے؛ لیکن ذرا دل کی گہرائی سے سوچا جائے کیا اس سے ان کو آخرت کی بلندی نصیب ہوسکتی ہے؟ یہ کام تو صرف ان کے لئے دعاؤں اور ان کے نقش قدم پر چلنے سے ہوسکتا ہے۔ اختلاف وانتشار کے اسباب چاہے کچھ بھی ہوں؛ لیکن یہ اختلاف وانتشار اغیار سے نہیں ہوتے۔

جس طرح آپؒ نے اپنے کو جامع العلوم کے لیے وقف کر رکھا تھا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اختلاف کے زمانے میں جو خاراشگافی کی، جس ہفت خواں کو طے کیا، جس درد کو پالا، جس الجھن سے دوچار ہوئے شب وروز جن زہرہ گداز حادثات وواقعات سے نبرد آزما ہوئے، اس نے ان کی تمام قوتوں کو نچوڑ لیا تھا۔ اور ناتواں جسم کے انگ انگ کو شکستہ کر دیا تھا؛ لیکن مفتی صاحبؒ نے سب کو معاف کیا، کسی سے شکوہ نہیں کیا، سب کو گلے لگایا اور ہر ایک کی خطا کو درگزر کیا۔

مرض الموت ووفات: مفتی صاحبؒ ایک عرصہ دراز سے مختلف امراض میں مبتلا تھے کبھی دل کے امراض میں، تو کبھی شکر کے مرض سے پیدا شدہ متنوع عوارض اور سحر نے ان کو بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ بالآخر وقت موعود آ گیا اور ۳؍نومبر بروز اتوار ایکسل ہاسپٹل میں بعد نماز مغرب اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ کانپور کے بڑی عیدگاہ کے گورے قبرستان میں سپرد

خاک ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اولاد: آپؒ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں اورایک بھائی تھے۔ اورسبھی صاحبزادے حافظ قرآن ہیں۔سب کو ازدواجی زندگی سے منسلک کردیا تھا۔ اورسب میں اپنے اپنے کام میں مصروف عمل ہیں، اوراپنے ایک بیٹے جناب حافظ معمور صاحب جامعی کو اپنی زندگی میں اپنانائب مقررفرمایا۔ اپنی ایک بیٹی کا نکاح چمپارن کے قاری بشیر احمد صاحب دامت برکاتہم سے منسلک فرمایا جو چمپارن کے ایک مقبول ومعروف مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ اورخود بزرگ شخصیت کے حامل ہیں، نیک صالح طبیعت کے مالک ہیں،الغرض قوم کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی بھی تربیت فرمائی اوران کوصحیح تربیت سے مالا مال کیا۔ یہ بہت اہم ذمہ داری کا کام ہوتا ہے۔

آپؒ کے شاگرد: آپؒ کے شاگرد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جامعات ومدارس ومکاتب میں اساتذہ، ائمہ جماعتوں اورادارووں کے قائدین کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔ان کے بعض شاگرد برصغیر کے نامور اہل قلم اورعربی واردو زبان وادب کے مسلم ادیب اورمصنف کی حیثیت سے اپنی مستقل شناخت رکھتے ہیں۔ شہر کانپور میں آپؒ کے شاگردوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہیں: حضرت مولانا سعید صاحب قاسمی امام واخطیب وبانی مدرسہ جامعہ قاسمیہ تاڑبغیہ وشیخ الحدیث مدرسہ جامع

العلوم جامع مسجد پٹکا پور کانپور، حضرت مولانا متین الحق اُسامہ صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش وحالیہ قاضی شہر کانپور وناظم اعلیٰ مدرسہ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجموٗ کانپور، حضرت مفتی اقبال صاحب صدر مفتی کانپور وصدر المدرسین مدرسہ نکھٹو شاہ بیکن گنج کانپور، حضرت مفتی عبدالرشید صاحب قاسمی استاد حدیث مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکا پور کانپور وامام وخطیب پھول والی گلی مسجد کانپور اور ایسے دیگر جید علماء شہر کانپور واطراف کانپور میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کا صلہ ان کو ابدالآباد تک ملتا رہے گا۔

مفتی صاحب مرنے کے بعد زندہ رھیں گے: مفتی صاحبؒ اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور کسی کو یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے؛ لیکن یہ ان کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی جرأت گفتار اور اپنی عوامی مقبولیت کے طفیل تادیر زندہ رہیں گے۔ مرنے کے بعد وہی لوگ زندہ رہتے ہیں، جو زندہ رہتے ہوئے مرنے کے بعد زندہ رہنے کا سامان کر جاتے ہیں اور اپنے بعد زندہ رہنے والوں کے دلوں میں یادوں کے بہت سے نقوش ثبت کر جاتے ہیں۔

یاد رکھے گا تمہیں بھی یہ زمانہ عامر
شرط لیکن یہ ہے کچھ کام نرالے تو کرو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

جشن صد سالہ ۱۴۳۸ - ۱۳۳۸ھ

۱۰۰

مقالہ

قائد ملت پیر طریقت رہبر شریعت بزرگ عالم دین

حضرت مولانا انوار احمد صاحب جامعی رحمۃ اللہ علیہ

- خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ
- صدر المدرسین جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جامع مسجد اشرف آباد جاجمؤ کانپور

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۶ء..................۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء

از قلم

مفتی محمد عامر کانپوری
اسلامک اسکالر
استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جامع مسجد اشرف آباد جاجمؤ کانپور

قائد ملت پیر طریقت رہبر شریعت بزرگ عالم دین

حضرت مولانا انوار احمد صاحب جامعی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ

صدر المدرسین جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جامع مسجد اشرف آباد جاجمؤ کانپور

کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہ سحر گاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ، میرا درد مہجوری

اوصاف حمیدہ: نحیف الجسم، دراز قد، سانولا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، جو نیم باز رہتی تھیں، کشادہ پیشانی، گھنیریں، گھڑی ناک، کتابی چہرہ، اور چہرے پر رعب، آنکھوں میں حیا اس کے ذریعے کبھی خفا و کبھی رضا، ہاتھ میں بیگ، پاؤں میں سادے جوتے، جو عموماً علما و صلحا استعمال کرتے ہیں، عمدہ سوتی قسم کا لباس، جو علما کا شعار ہونا چاہئے، عالمانہ وقار گفتگو میں ٹھہراؤ اور شریفانہ شرمیلا نہ پن، کبھی خالی نہ بیٹھتے ہمہ وقت مشغول و مصروف رہتے، کبھی جمعیۃ کے سلسلے میں کوشاں، کبھی مدارس کے بارے میں متفکر، تو کبھی طلبہ کی اصلاح و تربیت کے بارے میں فکر مند رہتے۔ ہر کام میں علم و بردباری، مکمل خاکساری نمایاں ہوتی، تمام تہذیب و شایستگی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اپنے شاگردوں کو ہمیشہ 'مولانا' ہی کے لفظ سے مخاطب کرتے اور ہر ایک کے عیوب کو نظر انداز کرتے اور ہر ایک کی خطاء پر دستگیر نہ ہوتے۔

ولادت تو مادر زاد ہوتی ہے؛ لیکن مولانا کی موت خانہ زاد تھی، عام طور پر موت اپنا شکار خود منتخب کرتی ہے؛ لیکن مولانا نے خود موت کو انتخاب کیا! یہی وہ چیز ہے جس نے مولانا کی زندگی اور موت دونوں کو ایک برگزیدہ حقیقت بنا دیا۔...... مولانا کی زندگی اور موت دونوں میں ان کی انفرادی اور شخصی افتاد طبع کی جلوہ گری تھی، شخصیت کی اسی جلوہ گری کا نام "قائد" ہے۔ مولانا کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز تھے، کسی کے زندگی میں نہیں ہوتے؛ لیکن ان کی موت نے ہر نشیب و فراز اور ہر فراز کو پر شوکت بنا دیا۔ مولانا کو بد توفیقوں اور بد مذاقوں سے سابقہ پڑا، ایسے بد توفیق اور بد مذاق جو بھوکے تھے، بوالہوس اور کینہ پرور بھی؛ لیکن مولانا کی ظرافت، رحم دلی، وسعت قلبی اور نرم خوئی کی وجہ سے ان سب کو اپنی زندگی میں معاف کر دیا۔

گزری جو رہ گزر میں اسے درگزر کیا
اور پھر یہ تذکرہ بھی جا کر نہ گھر کیا

ولادت باسعادت :آپ کی پیدائش ۱۹۴۶ء کو شہر کانپور محلّہ کرنیل گنج، میں ہوئی، یہ وہی محلّہ ہے جو ہمیشہ سے علما وصلحا، علم وعمل کا مرکز رہا ہے، یہاں سے دین کی شیدائی بجتی ہے، دینی مدارس مکاتب کو فیض پہنچتا رہا ہے، امداد ونصرت کی باد بہاری چلتی ہے، یہاں کے باشندے دین کے حوالے سے بے لوث خادم ہیں۔ حضرتؒ کے والد گرامی الحاج کریم بخشؒ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ خود حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ کے اجل خلیفہ میں سے تھے اور ان کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔

علمی و عملی خدمات اور باطنی فیض : مولانا کے باب میں بعض کہتے ہیں کہ وہ بڑے تھے؛ لیکن ان کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ یہ تنگ ظرفوں کا خیال ہے، ہماری قومی زندگی میں آج کتنے دھارے بہہ رہے ہیں، کتنے چشمے اُبل رہے ہیں! یہ کس کا فیضان ہے۔ آپ نے مشرقی یوپی کے عظیم ادارہ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور میں ۲۸ سالوں تک درس وتدریس، علوم ظاہری وباطنی سے اپنا فیض پہنچاتے رہے، بے شمار علما وطلبہ کو اپنا علمی جام پلاتے رہے اور ۲۸ سال تک نائب مہتمم وصدر المدرسین کے منصب پر فائز ہے اس کو رونق بخشتے رہے، ایمان کی باد بہاری چلاتے رہے، اس کے بعد قلی بازار واقع مدرسہ اشاعت العلوم میں ۸ سال صدر المدرسین کے منصب پر فائز رہے، علمی وروحانی فیض پہنچاتے رہے۔ اسی طرح آپؒ دیگر مدارس میں بھی سرپرستی فرما کر علمی وعملی خدمات انجام دیتے رہے بالخصوص آپ جہاں بھی رہے صدر المدرسین کی حیثیت سے رہے اور اپنی آخری زندگی کے ۱۲ سال جامعہ محمودیہ اشرف العلوم اشرف آباد جاجمؤ کانپور میں صرف کی اور وہاں کے در ودیوار، خاک وزرات، شجر وحجر، عام وخواص کو اپنے ظاہری کمالات اور باطنی صفات سے منوّر ومجلّا کرتے رہے۔

ہے جہاں اس سے فیضیاب انوار
جس کے در پر ہم آئے بیٹھے ہیں،
بخششوں سے جس کی خاص وعام سب تھے فیض یاب
ہم بھی تھے اس بزم میں، لیکن انا اوڑھے ہوئے

مولانا نے ہمارے خون کو رگوں میں دوڑنا پھرنا ہی نہیں بتایا؛ بلکہ آج خود ہماری آنکھوں سے خون بن کر ٹپک رہے ہیں۔ مردِ غازی کے کارناموں کا اندازہ مقبوضات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، جشن وجلوس کی ہماہمی وطرب انگیزی، برگستواں کی زینت، تمغہ اور اسلحہ کی چمک اور جھنکار سے نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے ٹوٹی ہوئی تلوار، بکھری ہوئی زرہ، بہتے ہوئے لہو، دہکتی ہوئی روح، اور دمکتے ہوئے چہرے، ڈوبتے ہوئے سورج سے!

'جو طوفانوں میں پلتے جارہے ہیں وہی دنیا بدلتے جارہے ہیں'

آپ نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس، اصلاح باطن میں صرف کردی اپنے شہر اور اطراف شہر کو اپنے نور باطن سے فیضیاب کرتے رہے، اور ایک عرصہ دراز تک ایمان، عقائد اخلاقیات اور روحانیت سے عوام وخواص کو فیض پہنچاتے رہے اور یہ فیض کا سلسلہ تقریباً ۵۲، سال تک رہا پھر موت نے اپنا دامن پھیلا دیا۔

اساتذہ کرام:۔ آپ کے اساتذہ کرام کی فہرست تو بہت ہے لیکن آپ کو پروان چڑھانے، باکمال بنانے، علم وعمل کا جام پلانے اور مختلف اوصاف وکمالات کا جامع بنانے میں کچھ شخصیتوں کا اہم کردار رہا ہے جن کے باطنی انوار نے آپ کو ظاہر وباطن ہر اعتبار سے باکمال بنا دیا۔

۱ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

۲ مفتی اعظم کانپور حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

۳ صدر جمعیۃ علماء شہر کانپور حضرت مولانا مبین الحق صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

۴ حضرت مولانا نصیر احمد صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ

۵ حضرت مولانا خاں زماں صاحب پیشاوری رحمۃ اللہ علیہ

تلامذہ: آپ علیہ الرحمۃ کے ہزاروں تلامذہ ہیں جو ملک وبیرون ملک میں دینی، ملی، معاشی و سیاسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مدارس وجامعات وغیرہ میں قلمکار، لیکچرر ومدرس کی حیثیت سے مختلف شعبوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ان میں مشہور ومقبول شخصیات یہ ہیں:۔

۱ حضرت مولانا وکیل احمد صاحب قاسمیؒ ناظم مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کانپور

۲ حضرت مولانا سعید احمد صاحب قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور وبانی جامعہ قاسمیہ تاڑبغیہ کانپور

۳ حضرت مولانا محمد متین الحق اسامہ صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش وقاضی شہر کانپور

۴ حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب اشرفی امام وخطیب مسجد شیخ ہمایوں محلّہ کرنل گنج کانپور

۵ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب قاسمی صدر مفتی مدرسہ جامع العلوم ونائب چیئرمین حق ایجوکیشن

۶ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب جامعی امام وخطیب مسجد مسافر خانہ پریڈ کانپور

۷ حضرت مولانا نورالدین احمد صاحب قاسمی صدر آل انڈیا سنی علماء مشائخ بورڈ

روحانی تعلق:۔ آپ علیہ الرحمہ شروع ہی سے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے فیض پاتے رہے۔ان سے اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کراتے رہے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ سے بھی آپ نے کافی فیض اٹھایا۔سہارنپور میں اعتکاف کیلئے حضرت شیخ کی مجلس میں شریک ہوتے رہے اور آپ علیہ الرحمہ کا حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہ سے بھی خاص تعلق اور قریبی وابستگی رہی ہے۔

جمعیۃ علماء ھند سے تعلق: آپ علیہ الرحمہ جمعیۃ علماء ہند سے فراغت کے بعد ہی سے وابستہ رہے ہیں۔اس کے مختلف اجلاس میں شرکت کرتے رہے اور اس کے بے لوث خادم رہے۔اسی وجہ سے آپؒ کو جمعیۃ علماء شہر کانپور کا صدر منتخب کیا گیا اور آپ اپنی آخری سانس تک جمعیۃ علماء سے وابستہ ہوکر اپنی دینی خدمات انجام دیتے رہے۔

اے کہ ترے نور سے رخشاں ہوئی صبح وطن
تونے کی ویران ہستی میں تعمیر چمن

وفات: مولانا مختلف امراض میں ایک لمبے عرصہ سے مبتلا تھے بالخصوص دل کی دھڑکن میں۔

اپنی زندگی کے آخری عشرہ میں جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام منعقدہ 'امن وایکتا سمیلن' میں وفد کے ساتھ شرکت کیلئے تشریف لے گئے، وہاں شرکت کے بعد آپؒ اپنے پیر کے دیار گنگوہ کیلئے روانہ ہوئے، آپؒ عشاء کے وقت وہاں پہنچے۔اس کے بعد عشاء کی نماز کیلئے مسجد گئے، وضو کیا اور باجماعت نماز کیلئے نیت باندھی، دو رکعت کی ادائیگی کے بعد تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی اور دل کی دھڑکنیں بڑھتی گئیں لیکن آپ پھر بھی نماز میں مشغول رہے، چوتھی رکعت پوری

کرنے کے بعد آپؒ امام کے ساتھ سلام پھیرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور اپنے عزیز واقارب، نشست وبرخاست، عہدہ واقتدار کو بھی الوداع کہا اور اپنے محسن ومربی فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے دیار گنگوہ میں ۷۱ سال کی عمر میں اپنی جان جاں آفریں کو داعی اجل کے سپرد کیا اور وطن شہر کانپور کے بڑے عیدگاہ کے گورغریباں میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور ہم سب کو تنہا، رنجیدہ، افسردہ چھوڑ گئے اور ہزاروں، لاکھوں بلکہ کڑوروں افراد کے دلوں کو دھڑکتا ہوا آنکھوں کو بہتا ہوا الوداع کہہ چلا۔

آج یہ کون چل بسا یہاں
کہ ہر آنکھ اشکبار رہے
مری زندگی تو گزری ترے ہجر کے سہارے
مری موت کو بھی پیارے کوئی چاہئے بہانہ

اچھے لوگ کبھی نہیں مرتے، وہ اپنی مادّی روحانی جسمانی صورت سے تو ہم سب کو آزاد کر جاتے ہیں؛ لیکن ان کی یادیں دلوں میں ہمیشہ گھر کئے رہتی ہیں اور یہ یاد دلاتیں ہیں کہ ایک اچھے انسان کے چلے جانے سے اچھے کاموں کا باب بند نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ان کے نقش قدم پر چلنے سے، ان کے افکار وخیالات کو اپنانے سے ان کی روح اور جسم دونوں زندہ رہتی ہے، ان کی روح کو سکون، ان کے جسم کو قرار اور ان کے لحد کو نور ملتا رہتا ہے اور ہر آن ان کیلئے دعاؤں کا بادل چھایا رہتا ہے بس اسی چیز کی امید ہر انسان کو رہتی ہے۔

جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گزارش ہے،
جب یاد ہم آجائیں تو مغفرت کی دعا کرنا،

آپ کی اولاد :۔ آپ مولاناؒ نے اپنے پیچھے بیوی، چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں، آپ کے سات بھائی اور ایک بہن تھی۔ آپؒ کا گھرانہ ہرا بھرا، مہکتا ومکتا میخانہ تھا۔ سبھی ایک دوسرے سے مل جل کر رہتے تھے یہ حضرت کی تعلیم وتربیت کا خصوصی نتیجہ تھا۔